قاضی محمد اسلم

امنِ عالم کے اسلامی اُصول

اسلامی تعلیم کو اگر ایک نظریۂ امن کے طور پر دیکھا جائے تو ہمیں اس میں تین نمایاں خصوصیات نظر آتی ہیں۔ یہ تینوں خصوصیات نہایت اہم ہیں۔ اس لیے فلسفۂ امن کے متلاشیوں اور امن کے ایک جامع منصوبے کے طالبوں کو ان تینوں امور کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ پہلی چیز اسلام کا وہ نظامِ خیالات ہے جو انسانی ذہن میں امن کا نہایت موزوں تصور پیدا کرتا ہے اور جس میں پُرامن انسانی تعلقات کے لیے عملی طریق کار بھی پیش کیا گیا ہے۔

دوسری چیز جس پر غور کرنا ضروری ہے، یہ ہے کہ اوائل میں مسلمانوں کو جن مشکلات اور جن مراحل میں سے گزرنا پڑا ان میں انہوں نے جو نمونہ دکھایا اس پر نظر رکھی جائے اور آنحضرتؐ کے اس طرزِ عمل کو دیکھا جائے جو زمانۂ جنگ اور زمانۂ امن میں آپؐ نے پیش کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو ابتدائے اسلام میں زبردست قومی مقابلوں اور جھگڑوں سے دوچار ہونا پڑا اور اس طرح یہ ظاہر کرنے کا موقع ملا کہ اسلام ان مشکلات سے کس طرح نمٹتا ہے اور مختلف قبیلوں، قوموں اور مذہبوں میں کس طرح پرامن تعلقات قائم کرتا ہے۔

تیسری بات جس کی طرف توجہ دینی ضروری ہے، یہ ہے کہ اسلام دنیا کی مذہبی یا سیاسی تاریخ کی زینت ہی نہیں بلکہ اس کی تعلیمات ایسی ہیں جو دنیا پر مستقل اثرات ڈالنے والی ہیں۔ اس لیے یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام موجودہ اور آئندہ زمانے کے لیے امن اور جنگ کے متعلق کیا تعلیم دیتا ہے اور اپنی اس تعلیم کو قائم و دائم رکھنے کے لیے کیا ضمانت پیش کرتا ہے۔ گویا ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آج کا انسان اپنے حال اور مستقبل کے لیے اسلام سے کیا توقعات رکھ سکتا ہے۔

پہلا سوال یہ ہے کہ امن کے متعلق اسلامی نظریات و خیالات کیا ہیں؟ اس کے جواب میں سب سے پہلی چیز جو پیشِ نظر رکھنی چاہیئے وہ اسلام کا عالمگیر تصور ہے۔ قیامِ امن کے حامیوں اور امن کے بڑے بڑے منصوبے پیش کرنے والوں نے ایک طویل عرصے کے بعد اب اس زمانے میں آکر یہ محسوس کیا ہے کہ مسئلۂ امن ساری دنیا کا مسئلہ ہے۔ اس میں تمام چھوٹی بڑی قومیں، کالے گورے مشرق و مغرب سبھی شامل ہیں۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ امن کے متعلق جو اسکیمیں بنائی جاتی تھیں ان کی غرض محدود ہوتی تھی۔ اس میں بعض علاقوں یا بعض قوموں کو مدنظر رکھا جاتا تھا۔ لیکن اس کے برعکس اسلام کا پیغام شروع ہی سے وسیع بنیادوں پر استوار کیا گیا۔ اسلام کسی ایک طبقے یا کسی ایک ملک کے لیے نہیں تھا بلکہ بنی نوع انسان کے تمام طبقے اور تمام قومیں اس کی مخاطب تھیں۔ جہاں تک انسانی تعلقات کا سوال ہے شریعت اسلام انسان، انسان میں کوئی فرق نہیں کرتی۔ اگرچہ اسلام کی ابتدا عرب سے ہوئی اور یہ بظاہر عرب کا مذہب یا عرب کی ایک تحریک بن کر دنیا کے سامنے آیا لیکن اس نے تعلیم یہ دی کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت نہیں ہے۔ اسلام ساری دنیا کی مذہبی تاریخ کو اپنے دامن میں لیے ہوئے آیا۔ اس نے تمام قوموں کے انبیاء کو تسلیم کیا۔ اور تمام انبیاء پر ایمان لانا اور ان کا احترام کرنا ضروری قرار دیا۔ اور تعلیم دی کہ یہ سب کے سب سچے اور خدائے تعالیٰ کے فرستادہ تھے۔ چنانچہ مسلمان تمام رسولوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور وہ ایک ایسی امت بنے جنہوں نے تمام انبیاء کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھا

امن کے لیے اسلام کا دوسرا نظریہ اتحاد انسانی ہے۔ اور بنی نوع انسان کے اتحاد کا یہ تصور اسلام کے عالمگیر تصور کا گویا تتمہ ہے۔ اسلام ساری دنیا کو ایک کرنے اور اس کے اجزا کو متحد کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ بنی نوع انسان کے مذہبی اختلاف، رنگ ونسل اور زبان کے اختلاف کو نظر انداز نہیں کرتا۔ اسلام کے نزدیک بنی نوع انسان شروع میں ایک ہی تھے۔ اس کے بعد وہ گروہوں میں تقسیم ہو کر زمین کے مختلف حصوں میں پھیل گئے اور اس طرح ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان میں سے ہر ایک کے پاس نبی بھیجے گئے جنہوں نے انہیں حق کی تعلیم دی۔ آخر ان تمام قوموں کو متحد کرنے کا وقت آگیا اور اسی غرض سے اسلام آیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم عصروں کے لیے یہ بات بڑی عجیب تھی کہ آپ یا کوئی اور شخص ساری دنیا کے ایک کرنے یا نسل انسانی کے ایک بن جانے یا خدا کے ایک ہونے کا تصور پیش کرے۔ لیکن آج ساری دنیا جانتی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے ساتھ ہی دنیا کے مختلف ملک اور دنیا کی مختلف قومیں ایک دوسرے کے قریب ہونا شروع ہو گئیں۔ حتیٰ کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ ساری دنیا کا ایک ہونا محض طبعی اعتبار سے بھی ناگزیر ہو گیا ہے۔ ہاں رنگ ونسل اور زبان کے اختلافات باقی رہ سکتے ہیں۔ قوموں اور قبائل کی تقسیم اس لیے ہے کہ ایک کا دوسرے سے تعارف ہو۔ لیکن قوموں کی تخصیص یا ان کے مختلف نام تقویٰ یا نیکی کی علامت نہیں۔ آخر کار بنی نوع انسان کے اتحاد کو ایک ٹھوس حقیقت بننا ہے اور جب تک ایسا نہیں ہو جاتا اس وقت تک پیدائش کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے انسان کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔

قیام امن کے لیے اسلام کا تیسرا نظریہ عقیدے اور خیالات کی آزادی ہے کیونکہ اس کے بغیر سچا ایمان اور حقیقی ولولہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ منافقت پیدا ہوتی ہے اور منافقت قابل نفرت اور نفسیاتی اعتبار سے ایک غیر فطری چیز ہے۔ ابتدائی زمانے میں اسلام کو آزادی خیال کے انسانی حق کے استحکام کے لیے تلوار اٹھانا پڑی۔ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی مدد سے انسان کے اس بنیادی حق کے لیے اسلام کی جد وجہد کامیاب ہوئی لیکن کتنی ستم ظریفی ہے کہ خود اسلام پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلا۔ یہ الزام آج بھی دہرایا جا رہا ہے اور آج بھی اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں۔ لیکن تاریخ نے اس اعتراض کا قطعی جواب دے دیا ہے۔ کوئی تین سو برس ہونے کو آئے کہ سیاسی اور سماجی اعتبار سے اسلام اپنا غلبہ کھو چکا ہے اور حکومت اور زور اور رعب دوسروں کے ہاتھ میں ہے لیکن اس کے باوجود اسلام پھیل رہا ہے اور یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ اسلام میں بنیادی طور پر ایسی کشش موجود ہے جو دوسروں کے دلوں اور دماغوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اسلامی تعلیم کی رو سے دین میں کسی قسم کا جبر نہیں ہے۔

دین عربی کا لفظ ہے اور اس میں نہ صرف معروف مذہبی عقائد بلکہ مذہب کے متعلق تمام امور، اعمال، عادات اور روایات شامل ہیں۔ پس اسلام کے نزدیک تمام انسانوں کو عقائد و اعمال کی آزادی حاصل ہے۔ چنانچہ قرآن نہ صرف اس بات کی اجازت دیتا ہے بلکہ توقع رکھتا ہے کہ تمام مذہبی فرقے خواہ وہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مسلمان، اپنے اپنے مذہب پر آزادی سے عمل پیرا ہوں، خواہ وہ ایسے ملک میں رہتے ہوں جس کی اکثریت مسلمان ہے۔ جہاں تک مذہبی عقائد اور عبادات کا تعلق ہے ان میں کسی قسم کا جھگڑا یا تنازعہ پیدا ہو نہیں سکتا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ سیاسی نظریات میں اختلاف کی بناء پر آپس میں جھگڑا پیدا ہو۔ پس ایسے ملک میں جہاں مختلف عقائد رکھنے والی قومیں آباد ہوں سیاست، مفاہمت سے حل ہو سکتی ہے۔ گویا وہ تمام لوگوں کی مجموعی ذمے داری ہے۔ ہر فرقہ اور ہر جماعت اپنے طور پر آزاد ہے۔ البتہ ہر جماعت کی آزادی دوسری جماعتوں کی مساوی آزادی کی وجہ سے محدود ہو جاتی ہے۔ پس آزادی، تعلقاتِ انسانی کو استوار رکھنے کے بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ گو امن کے قیام کے لیے ایک زمانہ درکار ہوتا ہے لیکن اگر اساس امن کو دیرپا بنیادوں پر قائم کرنا ہے تو ضروری ہے کہ اسے انسانی ذہنوں میں اتارا جائے اور انسان کی آزادانہ رضا و رغبت پر اسے قائم کیا جائے۔

امن کے لیے اسلام کا چوتھا نظریہ، نظریۂ انصاف ہے۔ یہ ایک طرح طے شدہ حقیقت ہے کہ انصاف اور امن کا ایک دوسرے سے خاص تعلق ہے۔ امن کے متعلق اکثر جدید تصورات جادۂ مستقیم سے بھٹک

کر غلط راہوں پر جا پڑے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسئلہ امن میں انصاف کی اہمیت نظر سے اوجھل ہوگئی ہے۔ قرآن کریم کی رو سے "عدل" تعلقاتِ انسانی کی بحالی کے لیے سب سے پہلا زینہ ہے۔ دوسرا زینہ "احسان" ہے، اور تیسرا زینہ "قرابت و محبت" ہے۔ قومیں دوسروں سے حسن و احسان کا سلوک کرنے کا دعویٰ کرتی ہیں، امن کے واعظ محبت و شفقت کی تلقین کرتے ہیں اور حال یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے سے عدل کرنا بھی نہیں جانتے۔ حالانکہ سب سے پہلی چیز جس کے سیکھنے کی ضرورت ہے، عدل ہے۔ عدل کا مطلب یہ ہے کہ یکساں حالات میں سب کے ساتھ خواہ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، یکساں سلوک کیا جائے۔ عدل سب کے لیے یکساں ہے۔ قرآن کی رو سے دشمنوں سے عدل کا برتاؤ کرنا چاہیئے اور یہی بہتر ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ان لوگوں سے بھی عدل کا برتاؤ کیا جائے جنھوں نے زیادتی کی لیکن جو اجتماعی فیصلہ کرنے کو تیار ہوگئے۔ پس بین الاقوامی سیاسیات میں عدل کو انتہائی اہمیت حاصل ہے۔

اب تک بین الاقوامی سیاسیات کے لیے جتنے بھی طریقے ایجاد ہوئے ہیں خواہ وہ تخفیف اسلحہ کا طریقہ ہو یا بین الاقوامی اداروں کا قیام ہو یا سفارتی نوعیت کی بات چیت ہو، یہ سب کے سب عین اس مرحلے پر جہاں ان کی کامیابی ضروری ہوتی ہے ناکام ہو جاتے ہیں۔ آخر کیوں؟ ان کی ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ جب کمزور قوموں کے مفادات سے ٹکرانے لگتے ہیں تو اس وقت ہمارے ہاں تصفیے کا ایک ہی طریق ہے اور وہ عدل نہیں بلکہ سمجھوتا ہے اور سمجھوتے میں عموماً کمزور کے مفاد کو قربان کیا جاتا ہے۔ اس ذہنیت کو بدلنے کی ضرورت ہے کیونکہ اصل اور اہم چیز عدل ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ سلامتی کونسل جسے عدل کا ذریعہ ہونا چاہیئے سودے بازی کا مرکز سمجھی جانے لگی ہے اور عالمی عدالت کی طرف قومیں کم ہی رجوع کرتی ہیں۔ اگر اسلامی تصورات دنیا میں رائج ہو جائیں تو بین الاقوامی عدالت کو نہ صرف یہ کہ بہت مصروف رہنا پڑے بلکہ وہ بڑے سے بڑے تنازعات کا فیصلہ کرنے لگے۔

اسلام کا پانچواں نظریہ قانون کا نظریہ ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کتاب نبی تھے اور آپ کے ذمے "تعلیم الکتاب والحکمۃ" کا کام تھا۔ اسلام نہ صرف یہ کہ احکام کی تعلیم دیتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان احکام کی حکمت سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ احکام کے ساتھ ان کی حکمت بیان کر دینے سے حریت ضمیر اور آزادی فکر کی روح قائم رہتی ہے۔ کئی لوگ قانون کو غیر اہم اور غیر متعلق سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اصل چیز نیک نیتی ہے اور نیک عزائم۔ چنانچہ جب کمزور ملکوں کو کسی بہانے سے حق و انصاف سے محروم کیا جاتا ہے تو وہ بھی قانون اور قانونی نظام سے بدظن ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ کچھ بھی ہو قانون ہی ان کا بہترین محافظ اور ان کے لیے بہترین ضمانت ہے۔ ہر کوئی اس بات کو فراموش کر دیتا ہے کہ بنی نوع انسان کا امن کے راستے پر

خاموشی سے بڑھتے جانا قانون ہی کا مرہون منت ہے۔ "امن بذریعۂ قانون" اسلام کا نعرہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اچھے سے اچھا قانون امن کی خواہش کے بغیر بے کار ہے، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ امن کے لیے سچی خواہش بھی قانون کے بغیر بے فائدہ ہے۔ اسلام امن کی تلقین بھی کرتا ہے اور امن کا قانون بھی پیش کرتا ہے۔ اسلام اجتماعی سلامتی کے متعلق واضح قواعد بیان کرتا ہے اور جنگ کی صورت میں طرفین کی اخلاقی ذمہ داریاں متعین کرتا ہے۔ وہ معاہدوں اور بین الاقوامی سمجھوتوں کا احترام سکھاتا ہے اور سفارتی نمائندوں اور ایلچیوں کا احترام اور ان کی ذات کی حفاظت کرنا ضروری قرار دیتا ہے۔

امن کے متعلق اسلامی تعلیم کی صداقت ابتدائی زمانے کے مسلمانوں کے عمل اور تجربے سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے ظاہر ہوتی رہی ہے۔ جب تک کسی تعلیم یا کسی اصول کو ٹھوس عملی شکل میں پیش نہ کیا جائے اس وقت تک اس کی پوری حقیقت واضح نہیں ہوتی۔ نہ اس کی خوبیاں ہی ظاہر ہوتی ہیں۔ نہ اس میں کوئی کشش پیدا ہوتی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی نوجوان تھے، خانۂ کعبہ کی مرمت کا وقت آیا، حجر اسود کو اپنی جگہ نصب کیا جانے لگا تو مختلف قبیلے آپس میں جھگڑنے لگے کیونکہ ہر قبیلہ اپنے لیے حجر اسود کو نصب کرنے کی عزت چاہتا تھا۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال دانش مندی کے ساتھ اس جھگڑے کا تصفیہ کرا کے ان قبیلوں میں صلح کرادی اور انہیں متحد ہونے میں عملی مدد دی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کا ایک اور واقعہ ہے۔ آپؐ نے مظلوموں کی حمایت کرنے والی ایک جماعت میں شرکت کی۔ اس جماعت نے یہ عہد کیا تھا کہ ہم مظلوموں کی مدد کریں گے خواہ وہ کوئی ہو۔ یہ عہد حلف الفضول کے نام سے مشہور ہے۔ باقی سب لوگ یہ عہد بھول گئے مگر آنحضرت صلعم نے اسے یاد رکھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک اجنبی شخص آپؐ کے پاس آیا اور آپؐ کو یہ عہد یاد دلایا۔ اس وقت مکے کا پورا شہر آپؐ کا مخالف تھا۔ یہ شخص کوئی بڑا با اثر آدمی نہ تھا بلکہ معمولی حیثیت کا شخص تھا۔ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی مصالح کی پروا کیے بغیر اس شخص کے ہمراہ چل پڑے اور ابوجہل سے جو آپؐ کے دشمنوں کا لیڈر تھا جا کر کہا کہ وہ اس شخص کی رقم ادا کرے۔

مدینے میں جو معاہدہ ہوا اس کے ذریعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کر دیا کہ ایک دوسرے کے مخالف اور متحارب گروہ کس طرح مل جل کر خود اپنے قائم کردہ نظام کے تحت زندگی بسر کر سکتے ہیں، اور کس طرح جداگانہ مذہبی نظریات اور عقائد کے باوجود سماجی سلامتی اور جسمانی تحفظ کی خاطر مشترک امور میں متحد ہو کر اپنے لیے امن اور آشتی کی صورت پیدا کر سکتے ہیں۔

ابتدائی اسلامی معاشرہ جس میں غلام بھی تھے اور آزاد بھی اور حبشی بھی تھے اور ایرانی اور یونانی بھی، ایک

وسیع تر انسانی اتحاد کا پیش خیمہ تھا۔

اسلام اختلاف کو تسلیم کرتے ہوئے بھی عیسائیوں سے خطاب کرکے کہتا ہے کہ آؤ ہم ان باتوں میں اتحاد اور تعاون کریں جو ہم میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ اصول ایسا ہے جس پر ہر جگہ عمل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ذریعے باہمی اختلافات کو بڑھنے سے روکا جاسکتا ہے اور افتراق کی خلیج پاٹی جاسکتی ہے۔ متضاد سے متضاد نظریات رکھنے والی جماعتوں میں بھی ایک قدر مشترک ضرور موجود ہوتی ہے اور وہ ان سب کا انسان ہونا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے لیے زیادہ سخت شرائط اور اپنی ذات کے لیے ہتک آمیز سلوک قبول کرلیا۔ اور بعد میں انتہائی دیانت داری اور خلوص کے ساتھ ان شرطوں کی پابندی کی۔ اس کے نتیجے میں وہ ملک جس نے امن و آشتی کی کبھی صورت نہ دیکھی تھی امن سے روشناس ہوئے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، آپؐ کے نمونے اور نمونے کی تاثیر نے امن و آشتی کو ایک زندہ حقیقت بنادیا۔ اسلام کا یہ تجربہ آج بھی دنیا کے لیے سبق کا حکم رکھتا ہے۔ ظہور اسلام کے وقت عرب میں جو حالات تھے نفسیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو آج دنیا اسی قسم کے حالات سے گزر رہی ہے۔ اس وقت حالت یہ تھی کہ عرب قوم کا ایک چھوٹا سا حصہ باقی تمام عرب کے مقابلے میں دفاعی جنگ میں مصروف تھا۔ یہ بڑا جان جوکھم کا کام تھا اور گویا سر دھڑ کی بازی لگی ہوئی تھی۔ کوئی تیسرا فریق ایسا نہ تھا جو صلح صفائی کرادیتا اور نہ کوئی قانونی نظام ہی تھا جس کا سہارا لیا جاسکتا۔ اسی قسم کا بحران آج کی دنیا میں موجود ہے۔ اس بحران کو ختم کرنے کے لیے جس قیادت کی ضرورت ہے وہی قیادت آج مفقود ہے۔ وہ کونسی قیادت تھی جس نے عرب کو متحد کیا اور متحدہ عرب ساری دنیا کے اتحاد کا پیغام بر بن گیا؟ خلوص نیت، جرأت، دلیری اور یقین کے ساتھ اس قیادت نے دشمن طاقتوں کے سامنے صلح کا ہاتھ بڑھایا اور دشمن کے دل اور دماغ کو بدل کر دنیا میں امن و امان کا راستہ صاف کیا۔ جب دل بدل گئے اور امن قائم ہوگیا تو دشمنوں کو سزا نہیں دی بلکہ عفو اور درگذر سے کام لے کر امن و امان کی بنیادوں کو مستحکم اور مستقل کردیا۔

موجودہ زمانے کا انسان ممکن ہے کہ ان باتوں سے متاثر نہ ہو اور یہ کہے کہ اسلامی عقائد، اسلامی کردار، اور خود مذہب کا اب زمانہ نہیں رہا، لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ اس سے پہلے بھی بنی نوع انسان پر ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ بار بار اس قسم کی مایوسی کے دور گزر چکے ہیں۔ اور ہمیشہ یہی ہوتا آیا ہے کہ کسی روحانی رہبر نے انسان کی رہنمائی کرکے اور اس کی امید کو ابھار کے اس حالت کو پھر بدل دیا۔

چھ ہزار سالہ کی مذہبی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان سے کئے ہوئے وعدوں کو

باربار پورا کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہ وعدے حیرت انگیز طریقے پر عین وقت پر پورے ہوتے رہے ہیں۔ زمانۂ گذشتہ میں جو روحانی انقلاب آئے وہ ٹھیک اس وقت آئے جب ان کی ضرورت تھی۔ ان میں کسی قسم کی تقدیم و تاخیر نہیں ہوئی۔ اب زمانے کو پھر ایک روحانی انقلاب کی ضرورت ہے اور اس کے آثار بھی پیدا ہو چکے ہیں۔ جنگیں، وبائیں، رسل و رسائل کے سامان کی ترقی، اجتماعات، نشرواشاعت کی فراوانی۔ سائنس اور علوم و فنون کا فروغ۔ اور کئی دوسرے امور معرض وجود میں آچکے ہیں۔ یہ تمام امور اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور ساری دنیا میں قرآن پاک کی اشاعت و ترویج کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ کوئی نہیں جو اس انقلاب کو روک سکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خود مغربی ملکوں میں جہاں اسلام کے متعلق سب سے زیادہ غلط فہمیاں پھیلی ہوئی تھیں اشاعت اسلام کے سامان پیدا ہو رہے ہیں۔ اسلام کے متعلق مستشرقین کا اندازِ تحریر بھی بدل رہا ہے۔ ادھر مسلمان بھی مایوسی اور قنوطیت سے چھٹکارا حاصل کر رہے ہیں۔ یہ تمام تبدیلیاں کسی مادی طاقت کی مدد کے بغیر ہو رہی ہیں اور ایسا ہونا ضروری تھا کیوں کہ انقلاب کی عمارت اسلام کے اصولِ آزادی پر استوار ہونی چاہیے۔ اس کے لیے ایک ہزار برس کی مدت بھی زیادہ نہ سمجھنی چاہیئے۔ جو لوگ اپنی طرف سے پوری جد وجہد کر کے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا انتظار کرتے ہیں، ان کے لیے دہرا اجر مقدر ہے۔ ایک طرف پورے بنی نوع انسان ان کے ممنون ہوں گے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتوں کی بارش کرے گا۔

اسلام کا نظریہ حیات

یہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کی انگریزی تصنیف اسلامک آئیڈیالوجی کا ترجمہ ہے جس میں اسلام کے مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی اصولوں کا دوسرے نظریات سے اور اسلامی نظریۂ حیات کا دوسرے نظام ہائے فکر سے مقابلہ کر کے ایک طرف تو مغربی دنیا کو دعوت فکر و نظر دی گئی ہے اور دوسری طرف خود مسلمانوں کو جمود و بے حسی اور تقلید پرستی کے طلسم توڑ کر اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ قیمت آٹھ روپے

ملنے کا پتہ: اِدارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور